مولانا محمد طاسین مدظلہ
صدر مجلس علمی کراچی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی
سیاسی زندگی

سرور کائنات فخر موجودات سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے سیاسی پہلو پر کچھ روشنی ڈالنا اس مقالے کا مقصد ہے لیکن اصل مقصود سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ لفظ سیاست کے معنی و مطلب کے متعلق مختصر طور پر کچھ عرض کر دیا جائے۔

لفظ سیاست عربی زبان کا لفظ ہے عربی کی مستند ڈکشنریوں جیسے لسان العرب اور تاج العروس وغیرہ میں اس کے متعلق جو لکھا گیا ہے وہ یہ کہ لفظ سیاست ساس یسوس کا مصدر ہے اور اس کے معنی ہیں "اَلْقِیَامُ عَلَی الشَّیْءِ بِمَا یُصْلِحُہٗ" کسی شے کی اصلاح کے لئے ایسی تدابیر عمل میں لانا جن سے اس کی صلاح ودرستی ہو سکتی ہو۔ پھر آگے اس کی مزید وضاحت کے لئے لکھا ہے۔ اَلسیاسۃ فعل السائس وھو من یقوم علی الدواب ویروضھا ویؤدبھا۔ ترجمہ:۔ سیاست نام ہے سائس کے فعل کا اور سائس وہ شخص ہے جو جانوروں کی دیکھ بھال کرتا ان کو مشق کراتا اور ادب سکھاتا ہے بالفظ سائیس کا وہ طرز عمل جو وہ گھوڑے کو سدھانے سکھانے اور سواری کے قابل بنانے کے لئے اختیار کرتا ہے سیاست ہے۔ میں سمجھتا ہوں سیاست کا مفہوم ومطلب سمجھنے سمجھانے کے لئے سائیس کا طرز عمل اور طریق کار ایک بہترین مثال ہے جو وہ ایک سرکش بچھیرے کو سدھانے مسخر کرنے اور سواری کے قابل بنانے کے لئے اختیار کرتا ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ شروع میں بچھیرے کی پشت پر ہاتھ رکھنے سے بھی وہ بدکتا اچھلتا اور بھاگتا ہے لیکن جب سائیس مختلف تدبیروں اور طریقوں سے اس کو مشق کراتا تو وہ بتدریج ٹھیک ہو جاتا اور سواری کے قابل بن جاتا ہے۔ علماء لغت نے سائیس کے مجودہ طرز عمل کو سیاست سے تعبیر فرمایا ہے۔

اسی مناسبت سے ان تدابیر کو بھی سیاست کہا گیا ہے۔ جن کو اختیار کرنے اور عمل میں لانے سے ایک سرکش دشمن بالآخر زیر ہو جاتا اور عداوت چھوڑ کر دوست بن جاتا ہے۔ اسی طرح ان تدابیر اور طور طریقوں کو بھی سیاست سے تعبیر کیا گیا ہے جو ایک سلطان اور والی رعایا کی خیرو بھلائی اور فلاح کے لئے اختیار کرتا اور عمل میں لاتا ہے۔ آج عموماً سیاست سے یہی مراد لیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ علماءِ لغت نے اپنی کتابوں میں سیاست کے معنی ومطلب اور اس کے مختلف استعمالات واطلاقات کے متعلق جو لکھا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ لفظ سیاست کے دو معنی اور مطلب ہیں ایک عام اور دوسرا خاص عام معنی ومطلب یہ کہ کسی بگڑی ہوئی چیز کی اصلاح ودرستگی کے لئے ایسی تدابیر عمل میں لانا جن سے اس کا بگاڑ دور ہو کر اس کی صلاح درستی ہو جاتی ہو خواہ وہ بگڑی ہوئی چیز کوئی جانور ہو یا کوئی ایک انسان ہو یا قوم اور معاشرہ ہو۔ اور سیاست کا خاص معنی ومطلب وہ تدابیر اور طور طریقے ہیں جو حکمران اپنی رعایا کی صلاح وفلاح کے لئے اختیار کرتا اور عمل میں لاتا ہے خواہ ان کا تعلق اجتماعی نظم ونسق سے ہو یا قانون سازی اور عدل گستری سے ہو یا داخلی وخارجی امن وامان اور جنگ وصلح سے ہو یا قوانین کی عملی تطبیق وتنفید سے ہو اس دوسرے معنی ومطلب کو سیاست کا اصطلاحی معنی ومطلب بھی کہہ سکتے ہیں۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ میں سیاست کا عام معنی صاف طور پر نظر آتا ہے اور خاص معنی ومطلب بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کردینا بھی مناسب اور مفید سمجھتا ہوں کہ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اس کے اندر لفظ سیاست کہیں کسی شکل میں بھی استعمال نہیں ہوا البتہ بعض احادیث نبویہ میں اس کا استعمال ضرور ملتا ہے صحیح البخاری کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں۔ کَانَ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ یَسُوْسُھُمْ اَنْبِیَآءُ ھُمْ۔ ترجمہ:۔ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے نبی کیا کرتے تھے۔ اس کا مطلب جیسا کہ خود قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے یہ کہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے بعض نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ملک اور بادشاہ بھی تھے جیسے حضرت داود علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام چنانچہ وہ قوم کی روحانی دینی اور اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کی دینوی اور مادی اصلاح بھی فرماتے تھے اسی چیز کو حدیث مذکور میں سیاست سے تعبیر فرمایا گیا ہے علاوہ ازیں مسند احمد کی تین روایتوں میں بھی لفظ سیاست کا ماضی لور مضارع کے صیغوں سے استعمال ہوا ہے لیکن اس کا تعلق گھوڑے کی دیکھ بھال اور خبر گیری سے ہے انسانوں کی سیاست سے نہیں لیکن یہاں یہ ضرور واضح رہے کہ قرآن مجید میں اگرچہ لفظ سیاست کا کہیں ذکر نہیں ہوا البتہ اس کے اندر جو لفظ حکمت بہت سی آیات میں ذکر اور استعمال ہوا ہے اس کے وسیع اور متعدد معنوں میں لفظ سیاست کا معنی بھی داخل ہے۔ گویا لفظ حکمت اپنے معنوں میں سیاست کے معنی کو بھی لئے ہوئے ہے قرآن مجید کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (آلایۃ) اور اللہ نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور حکمت ایک اور آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصبی بیان فرمائے گے ان میں کتاب کی تعلیم کے ساتھ حکمت کی تعلیم بھی ہے۔ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ایک اور آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرے فرمایا گیا کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ (آلایۃ) اپنے رب کے راستہ کیطرف لوگوں کو بلائیے حکمت کے ساتھ ان قرآنی آیات کے بموجب بلاشک پیغمبر اسلام صلی علیہ وسلم نے مسلمانوں

کو حکمت کی تعلیم بھی دی اور ان کو اللہ کے دین کی طرف حکمت کے ساتھ بلایا بھی ۔ لہٰذا پوری توجہ کے ساتھ یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جس حکمت کی تعلیم دی اور جس حکمت کے ساتھ دعوت دین کا فریضہ انجام دیا وہ حکمت کیا ہے تاکہ ہم اس حکمت کو ملحوظ رکھتے اور اس کے مطابق فریضہ دعوت و تبلیغ انجام دینے کی سعادت حاصل کرسکیں یہاں اس وقت میرا اصل مقصد حکمت کے وسیع معنی و مفہوم پر بحث کرنا نہیں اگرچہ کچھ باتیں اس کے متعلق آگے عرض کی جائیں گی یہاں جو عرض کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ حکمت کے اندر سیاست کے معنی بھی موجود ہیں لہٰذا قرآن حکیم کے اندر حکمت کے ضمن میں سیاست کا ذکر بھی معنوی طور پر موجود ہے ۔ وہ اس طرح کہ حکمت کا وسیع اور جامع مفہوم ہے وہ دانشمندانہ تدابیر اور طور طریقے جن کے اختیار کرنے سے مطلوبہ مقصد میں کامیابی کا حصول یقینی ہو خواہ وہ مقصد کسی بگڑی ہوئی چیز کو درست و ٹھیک کرنا ہو یا کسی صحیح صالح چیز کو ترقی و عروج سے ہمکنار کرنا اور فساد و بگاڑ سے بچانا اور محفوظ رکھنا ہو ۔ اور چونکہ سیاست میں بھی مقصود کسی بگڑی ہوئی چیز کی مختلف تدابیر سے اصلاح کرنا ہوتا ہے لہٰذا وہ حکمت کی مذکورہ تعریف میں آجاتی ہے ۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے ہاں طبیب کو حکیم کہنے کی بھی وجہ یہی ہے کہ وہ مریض کی صحت و تندرستی کی خاطر مختلف حالات کی مناسبت سے علاج کی مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے جو وہ اپنی سمجھ و عقل کے مطابق ضروری خیال کرتا ہے لہٰذا ایک طبیب حاذق کے طرز عمل کو جو وہ علاج کے سلسلہ میں مریض کے متعلق اختیار کرتا اور روبکار لاتا ہے سیاست سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس پر سیاست کی تعریف صادق آتی ہے ۔

سیاست کے معنی و مطلب کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں سیاست اپنے کامل معنوں میں جلوہ گر نظر آتی ہے عام معنی و مطلب کے لحاظ سے بھی اور خاص معنی و مطلب کے اعتبار سے بھی ۔

سیاست کا عام معنی و مطلب جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ کہ کسی بگڑی ہوئی چیز کی اصلاح و درستگی کے لئے ایسی تدابیر اختیار کرنا اور عمل میں لانا جن سے اس کا بگاڑ دور ہو کر اس کی اصلاح و درستی ہوجاسکتی ہو یہ سیاست حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ میں اپنی اعلیٰ ترین صورت سے اس طویل جدوجہد میں نظر آتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عرب معاشرے کی اصلاح کے سلسلہ میں مسلسل تیئیس سال تک فرمائی اور پھر اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کامیابی نصیب ہوئی جس کی دنیا میں کہیں کوئی مثال اور نظیر نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ "دنیا کے سو بڑے انسان" کتاب میں مائیکل ہارٹ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن میں سب سے زیادہ کامیاب ہونے والا نمبر اول پر لکھا ہے ۔

اس عظیم اور بیمثال کامیابی میں جن دو چیزوں کا دخل تھا ان میں سے ایک قرآن مجید اور دوسری وہ حکمت اور سیاست جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی تعلیمات کے مطابق معاشرے کی اصلاح کے کام میں

اختیار فرمائی یعنی جس کو ملحوظ ومدنظر رکھتے ہوئے قرآنی نظام ہدائت کے ذریعے اپنے بگڑے ہوئے عرب معاشرے کی اصلاح فرمائی اس حکمت وشرعی سیاست کو بجا طور پر سنت رسول اللہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

اپنے عرب ومعاشرے کی اصلاح کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا اس کی عظمت واہمیت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوسکتا ہے جب ایک طرف وہ عرب معاشرہ چشم تصور کے سامنے ہو جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور جس کی اصلاح کے عظیم اور مشکل ترین کام پر آپ کو مامور کیا گیا۔ اور دوسری طرف وہ صالح معاشرہ ذہن میں ہو جس کے مطابق اس عرب معاشرے کو تبدیل کرنا مقصود تھا۔

اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ جس عرب معاشرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی وہ حددرجہ بگڑا ہوا اور نہایت ہی فاسد معاشرہ تھا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ یہ عرب معاشرہ اس مجوزہ صالح اسلامی معاشرے کی مکمل ضد اور نقیض تھا جس کا قیام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر صالح اسلامی معاشرے کی بنیاد عقیدہ توحید پر تھی یہی اس پختہ اعتقاد پر کہ اللہ ایک اور صرف ایک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی اس کا شریک صرف اسی نے کائنات کی ہر شے کو پیدا کیا اور تنہا وہی کائنات کے پورے نظام کو چلا رہا ہے اسی کے ہاتھ میں انسان کا نفع ونقصان اور فائدہ وضرر ہے نہ اس کے سوا کوئی حاجت روا ہے اور نہ مشکل کشا صرف وہی بندوں کی ہر عبادت کا مستحق ہے بندوں کو صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے جان سے بھی اور مال سے بھی اور اس میں کسی دوسرے کو کسی عنوان سے شریک نہ کرنا چاہیئے جبکہ وہ عرب معاشرہ ہر قسم کی شرک میں مبتلا اور سراسر مشرکانہ معاشرہ تھا شرک کی کونسی قسم اور کونسی شکل تھی جو اس کے اندر پورے زور و شور کے ساتھ موجود نہ تھی مادی اور معنوی کتنی ایسی ہستیاں تھیں جن کے متعلق ذہنوں میں یہ اعتقاد تھا کہ انسان کا نفع ونقصان اور فائدہ و ضرر ان کے ہاتھ واختیار میں ہے لہٰذا جان و مال اور قول و عمل سے انکی عبادت و پرستش کی جاتی تھی تاکہ ان کی خوشنودی حاصل ہوسکے اصنام پرستی کے ساتھ مظاہر پرستی اور ارواح پرستی کا بھی عام چلن و رواج تھا جو توحید کے سراسر منافی تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ و علیہ وسلم کے پیش نظر صالح اسلامی معاشرے میں حیات بعد الممات اور اخروی جزاء و سزا کا عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا تھا جبکہ یہ عرب معاشرہ حیات بعد الممات یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا منکر تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ زندگی صرف اس دنیا کی ہے اس کے بعد نہ کوئی اخروی زندگی اور نہ یہاں کئے گئے اعمال کی جزاء وسزا ہے نیز وحی و رسالت کا بھی اس عرب معاشرے کے اندر کوئی تصور اور اعتقاد نہ تھا جبکہ مجوزہ اسلامی معاشرے میں اس کا وجود نہایت لازمی و ضروری تھا۔ غرضیکہ ایمانی عقائد کے لحاظ سے یہ عرب معاشرہ اس صالح اسلامی معاشرے سے بالکل مختلف متضاد تھا جس کا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیش نظر تھا۔

اسی طرح عملی ڈھانچے کے لحاظ سے بھی یہ عرب معاشرہ مجوزہ اسلامی معاشرے سے نمایاں طور پر مختلف تھا ۔ اس عرب معاشرے میں ہر قسم کا ظلم واستحصال پایا جاتا لہذا ایک ظالمانہ معاشرہ تھا جبکہ مجوزہ اسلامی معاشرے میں عدل بنیاد کی حیثیت رکھتا تھا اور اس میں کسی ظلم وستم کی کوئی گنجائش نہ تھی ۔ معاشرتی پہلو سے اس عرب میں لوگوں کے درمیان ذات اور خاندان وقبیلے کی بنیاد پر اعلیٰ وادنیٰ مختلف درجات وطبقات تھے ۔ کچھ لوگ پیدائشی طور پر شریف اور کچھ پیدائشی طور پر رزیل وحقیر سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کے درمیان حقوق وفرائض کے لحاظ سے نمایاں فرق وامتیاز تھا غلاموں کو تو انسان سمجھا ہی نہ جاتا تھا ان کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا وہ بعض جانوروں کے ساتھ روانہ رکھا جاتا تھا خواتین کی حیثیت بھی نہایت پست تھی ان کو وہ مقام ومرتبہ نصیب نہ تھا جس کی وہ مستحق تھیں ان کے ذمے مردوں کے لئے فرائض تو بہت تھے لیکن حقوق سے وہ محروم تھیں جبکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر جو اسلامی معاشرہ تھا وہ انسانی وحدت ومساوات کے تصور پر مبنی تھا یعنی اس تصور و نظریے پر کہ سب انسان پیدائشی طور پر برابر ومساوی ہیں بحیثیت انسان کے کسی انسان کو پیدائشی طور پر دوسرے انسان پر کوئی فوقیت وبرتری نہیں بنیادی انسانی حقوق سب کے لئے یکساں ہیں اور ان کے لحاظ سے سب کا درجہ برابر ہے رنگ نسل زبان وطن قبیلے خاندان کی بنا پر کسی انسان کو دوسرے انسان پر کوئی فضیلت وبڑائی حاصل نہیں بلکہ فضیلت وعظمت کا تمام دار ومدار تقوے پر ہے جس انسان کے اندر جتنا تقویٰ ہو اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک معزز ومکرم ہے نوع انسان کو دیگر انواع مخلوقات پر جو شرف حاصل اور جس کی وجہ سے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے اس شرف میں بلا کسی تخصیص وامتیاز تمام انسان برابری کے ساتھ شریک نہیں قرآنی آیت وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کے بموجب ہر آدمی قابل تکریم ہے خواہ وہ آزاد مرد ہو یا غلام ہو یا عورت کیونکہ بنی آدم میں شامل ہیں ۔

معاشی پہلو سے اس عرب معاشرے کی حالت یہ تھی کہ اس میں سود اور سود جیسے دوسرے معاشی معاملات اسی طرح جوئے وقمار کے سب طریقے عام طور پر رائج اور زیر عمل تھے ۔ اس کے اندر رزق ومال میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہ تھی ناحق طریقہ سے ایک دوسرے کا مال لیتے اور کھاتے تھے ۔ جبکہ اس کے برعکس مجوزہ اسلامی معاشرے میں سود اور سود سے ملتے جلتے معاشی معاملات قطعی طور پر ممنوع اور جوئے وقمار کی ہر شکل ناجائز تھی اس میں کسی ایسے معاشی معاملے کی کوئی گنجائش نہ تھی جس میں ایک فریق کی لازماً حق تلفی واقع ہوتی یا اس میں واقع ہونے کا قوی احتمال تھا حلال وحرام میں تمیز کرنے پر سختی کے ساتھ زور تھا وغیرہ وغیرہ ۔

سیاسی پہلو سے اس عرب معاشرے کے جو حالت تھی وہ یہ کہ چونکہ یہ عرب معاشرہ بہت قبائل پر مشتمل ایک قبائلی معاشرہ تھا ہر قبیلے کا ایک سردار تھا جو اپنے قبیلہ کے تمام امور ومعاملات طے کرتا اور اس میں کسی دوسرے مداخلت کو برداشت نہ کرتا ہر قبیلہ صرف اپنے ہی قبیلوی مفاد پر نظر رکھتا اور ہر طریقہ سے

اس کا تحفظ کرتا وہ دوسرے قبیلہ سے کوئی معاہدہ قائم کرتا تو اپنے مفاد کی خاطر اور معاہدہ توڑتا تو اپنے مفاد کی خاطر ان قبائل کے سامنے قومی نوعیت کا کوئی ایسا وسیع تر مفاد نہ تھا جس کی خاطر وہ آپس میں مجتمع و متحد ہو کر مشترکہ طور پر جدوجہد کرتے نہ ان کے سامنے کوئی ایسا اعلیٰ مقصد اور اجتماعی نصب العین تھا جو ان کو باہمدگر جوڑتا اور ان کی جدوجہد میں یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا کرتا ان کے ذہنوں میں کسی ایسی شخصیت کی کوئی گنجائش تھی جس کے گرد سب قبائل جمع ہوتے اور اس کے احکام وفرامین کی اطاعت بجالاتے سب قبائل کے مفادات الگ الگ تھے لہٰذا بعض اوقات ان کے درمیان ٹکراؤ وتصادم ہوتا اور آپس میں جنگ وقتال کی نوبت آجاتی جس کا نتیجہ تباہی وبربادی کی صورت میں نکلتا غرضیکہ اس عرب معاشرے میں قومی پیمانے کا کوئی سیاسی قانونی اور حکومتی نظام نہ تھا جس میں سب لوگوں کے بنیادی حقوق اور ان کی جانوں مالوں اور آبروؤں کے تحفظ کا انتظام ہوتا اور سب کو امن وامان کے ساتھ زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا موقع ملتا۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر معاشرہ میں قومی نوعیت کی ایسی حکومت کا وجود ضروری تھا جس کے اندر بلا کسی تخصیص وامتیاز معاشرے کے تمام افراد کے ہر قسم کے حقوق پوری طرح محفوظ اور ہر ایک کے لئے امن وامان کے ساتھ زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا موقع ہو اور جس کے فرائض کا دائرہ صرف لوگوں کی دنیوی اور مادی فلاح تک محدود نہ ہو بلکہ دینی اور روحانی فلاح وبہبود پر بھی حاوی ومحیط ہو نیز اس اسلامی معاشرے میں سیاسی طور پر یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے اندر ایک ایسی مجلس شوریٰ موجود ہو جس کے ارکان معیاری مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ممتاز علم وفہم اجتماعی اموروسائل میں گہری بصیرت اور غوروفکر کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہوں اور لوگ ان پر اعتماد وبھروسہ کرتے اور ان کے فیصلوں کو خوشی کے ساتھ مانتے ہوں اور اس مجلس شوریٰ کے وجود کا مقصد بدلتے ہوئے حالات کے تحت پیدا ہونے والے نئے امور ومسائل کا حل اجتماعی مشورے سے تلاش اور طے کرنا ہو اور سربراہ حکومت ہنگامی قسم کے حالات معاملات سے متعلق کوئی عملی قدم اٹھانے سے پہلے اس مجلس سے مشورہ کرنے کا پابند ہو۔ اسی طرح اس عرب معاشرے میں فحاشی بے حیائی زنا اور شراب نوشی وغیرہ کا عام رواج تھا اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی جبکہ اسلام کے مجوزہ معاشرے میں ان کی سخت ممانعت تھی اور ان کا ارتکاب موجب سزاوعقوبت تھا۔

ناظرین کرام! آپ کے سامنے اس وقت کے عرب معاشرے اور بعد میں قائم کئے جانے والے معاشرے کی جو تصویر اور تفصیل پیش کی گئی اس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ یہ دو معاشرے ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد تھے اور یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اس عرب معاشرے کو مجوزہ اسلامی معاشرے کے مطابق تبدیل اور تشکیل کرنا کتنا مشکل ودشوار کام تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپا گیا اور یہ کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاطر خواہ طور پر کامیاب ہو جانا کتنی عظیم کامیابی تھی انسانی تاریخ میں واقعی اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

اب میں کچھ اس حکمت عملی اور سیاست شرعی کی تفصیل کرنا چاہتا ہوں جو قرآنی ہدایات کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی اور جس کو ہر موقعہ پر آپؐ نے ملحوظ ومدنظر رکھا چونکہ مقصد روزاول سے یہ تھا کہ دعوت وتبلیغ سے جو اصلاح عمل میں آئے اور وجود پزیر ہو پائیداری کے ساتھ قائم رہے جو قدم آگے بڑھا ہے وہ کبھی پیچھے نہ ہٹے اور پیش رفت برابر جاری رہے ایسا نہ ہو کہ کسی مخالف ردعمل کے نتیجہ میں آگے بڑھا ہوا قدم پیچھے ہٹ جائے اور حاصل شدہ صلاح فساد سے اور فائدہ ضرر سے بدل جائے بالفاظ دیگر مطلب یہ کہ اصلاح اس عظیم کام میں ترقی کی رفتار دھیمی وسست رہتی ہے تو رہے وقت زیادہ لگتا ہے تو لگے لیکن جو اصلاحی تبدیلی وجود میں آئے عارضی وناپائدار نہ ہو بلکہ مستقل وپائدار ہو اور اس کا سلسلہ برابر آگے بڑھتا رہے لہٰذا یہ دیکھنا بیحد ضروری تھا کہ اصلاح کا یہ کام قرآن مجید کی کن ہدایات سے شروع کیا جائے ان ہدایات سے جو ایمانی عقائد سے تعلق رکھتی ہیں یا ان ہدایات سے جو عبادات سے یا جو معاملات سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ قرآنی نظام حیات ان متنوع ہدایات پر مشتمل ہے ان میں سے بعض کا تعلق افراد معاشرہ کی ذہنی اصلاح سے بعض کا عملی اصلاح اور بعض کا دونوں سے ہے اور چونکہ یہ اور واقعہ ہے کہ ذہنی اصلاح کے بغیر جو عملی اصلاح ہوتی وہ ناپائدار رہتی اور کسی وقت بھی ختم ہوجاتی ہے گویا پائدار عملی اصلاح کا دارومدار تمامتر انحصار ذہنی اصلاح پر ہے اور یہ کہ ذہنی اصلاح پائدار عملی اصلاح کے لئے بنیاد واساس کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا اصلاح معاشرہ کے لئے ضروری تھا کہ اس کا آغاز قرآن مجید کی ان ہدایات سے کیا جائے جن کا براہ راست تعلق افراد معاشرہ کی ذہنی اصلاح سے ہے اور ایسی ہدایات وہ تھیں جو ایمانی عقائد سے تعلق رکھتی تھیں اور ایمانی عقائد میں جو عقیدہ باقی عقائد کی بنیاد تھا وہ اللہ کی ذات وصفات اور توحید کا عقیدہ تھا لہٰذا سب سے پہلے اسی عقیدہ کی دعوت دی اور تبلیغ کی گئی جس کا مطلب یہ کہ اللہ ایک اور صرف ایک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی اس کا شریک کائنات کی ہر ہر شے کو پیدا بھی اسی نے کیاہے اور ہر شے کی پرورش ونگہداشت بھی وہی کررہا ہے بندوں کا نفع، نقصان اور فائدہ وضرر سب اس کے ہاتھ واختیار میں ہے بندوں کو جو گوناگوں نعمتیں حاصل ہیں سب اس کی طرف سے ہیں لہٰذا ان پرلازم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کریں جان سے بھی اور مال سے بھی قول سے بھی اور فعل سے بھی اور اس میں کسی اور کو کسی عنوان سے شریک نہ کریں گویا سب سے پہلے عقیدہ توحید کی تبلیغ کی گئی اس کے ساتھ جس دوسرے ایمانی عقیدہ کو پیش کیا گیا وہ حیات بعد الممات یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کی جزاء وسزا کا عقیدہ تھا نیز وحی ورسالت کا عقیدہ تھا جس کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدائت کے لئے انہی میں سے بعض کو نبی ورسول مقرر کرتا اور وحی کے ذریعے ان کو اپنی ہدایات دیتا ہے جو کتاب الٰہی کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔

ان ایمانی عقائد کے ذریعے جو ذھنی اصلاح وجود میں آتی ہے اس کی کچھ توضیح یہ کہ قرآن مجید کی رو سے کسی معاشرے کے عملی طور پر صالح ہونے کا مطلب ہے اس کے اندر پائے جانے والے اعمال معاملات کا عدل اور احسان کے مطابق ہونا ۔ اور ذھنی طور پر صالح ہونے کا مطلب ہے افراد معاشرہ کے ذھنوں میں عدل اور احسان کے ایسے جذبات واحساسات کا پایا جانا جن کی تحریک سے ایسے انسان بلاکسی تخصیص وامتیاز ہر دوسرے انسان کے ساتھ عدل واحسان کرنے پر مجبور اور امادہ ہوتا ہے اور اس سے ایسے اعمال ومعاملات سرزد ہوتے ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ ہر حقدار کو اس کا حق پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک ملتا ہے بلکہ ان میں اپنے حق کا دوسروں کے لئے ایثار موجود ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس کے مطابق معاشرے کی ذھنی اصلاح کا مطلب ہوا افراد معاشرہ کے ذھنوں میں عدل اور احسان کے جذبات واحساسات کا نہائت وسیع اور عالمگیر شکل میں پایا جانا چنانچہ ذھنی اصلاح کا یہ مطلب ایمانی عقائد سے ضرور حاصل ہوجاتا ہے بالخصوص اللہ کی ذات وصفات سے متعلق ایمانی عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کے جمالی اور جلالی صفات پر ایمان ویقین سے بندے کے اندر اللہ کی محبت اور اس سے ڈر وخوف کا جذبہ پیدا ہونا ایک لازمی وقدرتی امر ہے اور یہ دونوں جذبے بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے پر ابھارتے ہیں جو عدل اور احسان پر مبنی ہیں اللہ تعالیٰ کے صفات میں سے ایک صفت ربوبیت عامہ ہے جو رب العالمین ربّ الناس ربّ کل شئی سے مفہوم ہوتی ہے یا جس پر مذکورہ الفاظ دلالت کرتے ہیں اس کا مطلب یہ کہ کائنات کی ہر شے ہر جاندار اور ہر انسان کی پرورش نشوونما اور دیکھ بھال کرنے والا اللہ اور صرف اللہ ہے جس نے کائنات کے نظام کو اس طرح بنایا کہ اس کے اندر ہر شے کی پرورش حیات وبقا اور نشونما کا پورا سامان ہے ۔ اور دوسری صفت رحمت شاملہ ہے ۔ جس پر اسم رحمان ورحیم اور جملہ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ قطعی طور پر دلالت کرتا ہے اور جس کا مطلب ہے اللہ ہر شے پر رحمت ومہربانی فرمانے اور احسان کرنے والا ہے ۔ اور ہر ایک کی بھلائی وبہتری چاہتا ہے ۔ لہٰذا جس بندہ مومن کے اندر اللہ کی صفت ربوبیت عامہ اور صفت رحمت واسعہ پر اعتقاد اور ایمان ہو اس کے دل میں خلق خدا اور تمام انسانوں کی ہمدردی وخیر خواہی کا جذبہ اور سب کے ساتھ عدل واحسان سے پیش آنے کا داعیہ ابھرنا اور پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے اس کے ساتھ جب اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عدل واحسان کا سلوک کریں تو اس کے لئے ایسے عملی احکام وقوانین پر عمل کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل واحسان پر مبنی ہیں ۔ اسی طرح آخرت کی زندگی اور اس میں جزاء وسزا کا عقیدہ بندہ مومن کو عدل واحسان پر مبنی اعمال کرتے رہنے پر اس صورت میں بھی امادہ کرتا اور استقلال واستقامت بخشتا ہے جب اس کو دنیا کی زندگی میں ان کے اچھے اثرات ونتائج ظاہر ہونے کی امید اور توقع نہیں ہوتی کیونکہ وہ یہ سمجھتا اور یقین رکھتا ہے کہ اس کو اس کے نیک اعمال کا اچھا ثمرہ آخرت میں ضرور ملے گا ۔ وحی ورسالت کا عقیدہ انسان کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ

ایک ایسی کتاب اللہ پر ایمان لائے جو وحی اور فرشتہ کے ذریعے اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور جس کے اندر بیان شدہ ہدایات وتعلیمات کے متعلق وہ یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی جانب سے بندوں کے لئے ہیں۔ اسی طرح رسالت کا عقیدہ انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ انسانوں میں سے ایک انسان کو رسول تسلیم کرے اور اس کو اپنے لئے ایک آئیڈیل بناکر اپنی زندگی اس کی زندگی کے مطابق بنانے کی کوشش کرے اور یہ سمجھے کہ کتاب اللہ میں جو ہدایات وتعلیمات ہیں ان کا صحیح معنی ومطلب وہ ہے جو رسول کے اقوال واعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کے مطابق معاشرے کی عملی اصلاح کے لئے جس ذہنی اصلاح کی ضرورت تھی اس کا دارومدار چونکہ ایمانی عقائد پر تھا لہٰذا دعوت وتبلیغ کا آغاز ایمانی عقائد سے ہوا چنانچہ اس عرصہ میں مکہ مکرمہ کے اندر قرآن مجید کا جو حصہ نازل ہوا اس میں زیادہ زور مذکورہ ایمانی عقائد پر رہا اور کچھ ایسے اخلاقی اعمال پر رہا جن کی اچھائی سب کے نزدیک مسلم ہے جیسے یتیموں اور مسکینوں کی مالی امداد اور معاشی کفالت کرنا اور ان سے نرمی وشفقت کے ساتھ پیش آنا۔ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو دو عملی عبادتوں کے بجالانے کا تکرار کے ساتھ حکم دیا گیا ایک صلوٰۃ قائم کرنے اور دوسری زکواۃ ادا کرنے کا صلوٰۃ بدنی عبادت تھی اور زکواۃ مالی عبادت فرمایا: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ نماز قائم کرو اور زکواۃ دو۔ ماہ رمضان کے روزوں اور حج بیت اللہ کی عبادت بعد میں مدینہ منورہ کے اندر فرض ہوئی مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر صلوٰۃ اور زکواۃ ہی لازم اور فرض تھی اور زکواۃ کا مطلب اس وقت صدقہ وخیرات تھا اس میں اس قسم کا کوئی تعین نہ تھا کہ کس مال میں سے کتنے عرصہ کے بعد کتنی زکواۃ دی جائے تفصیلات بعد میں مدینہ طے پائیں۔

مکہ مکرمہ میں ایمانی عقائد کی تبلیغ وتعلیم کے بعد صلوٰۃ اور زکواۃ پر زور دینے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے ذریعے ایک طرف مومنوں کے ایمان کا عملی ثبوت فراہم ہوتا اور اس کو تقویت ملتی ہے دوسری طرف مومنوں کے ذہنوں کے اندر ایمانی عقائد زندہ تازہ اور بیدار رہتے اور ان کے ذریعے پیدا شدہ عدل واحسان کے جذبات واحساسات اپنی وسیع عالمگیر شکل میں قائم رہتے اور استحکام ومضبوطی حاصل کرتے ہیں اور تیسری طرف مومن بندوں کے اندر قوانین عدل واحسان پر عمل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

صلوٰۃ میں جو پڑھا اور کیا جاتا ہے اس میں جملہ ایمانی عقائد کا ذکر بھی ہے اور اپنی عاجزی وفروتنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت بھی ہے اور اجتماعی نظم ونسق کی پابندی اور باہمی تعلقات ومعاملات میں مساوات وبرابری کی عملی تربیت بھی ہے۔ اسی طرح زکواۃ کی عبادت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ مومن کے دل میں اللہ اور اس کی رسول کی محبت مال و دولت کی محبت سے بہت زیادہ ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کی خاطر اپنے مال کو قربان کرسکتا ہے نیز زکوٰۃ کے ذریعے معاشرے کے مسکین وفقیر اور مفلس نادار افراد کی معاشی پریشانی دور ہوتی اور معاشی حالت سدھرتی اور اغنیاء اور فقراء کے تعلقات میں مضبوطی

اور خوشگواری رونما ہوتی ہے ۔ غرضیکہ غور سے دیکھا جائے تو اقامت صلوٰۃ۔ اور ایتاء زکوٰۃ کا معاشرے کی اصلاح میں نہائت اہم رول اور کردار ہے ۔ بشرطیکہ ان کو شعور کے ساتھ صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے ۔ نیز اقامت صلوٰۃ تمام بدنی عبادات اور ایتاء زکواۃ تمام مالی عبادات کی اساس وبنیاد ہے جو بعد میں فرض ہوئیں۔

مکی دور میں مسلمانوں کو ایسے شرعی احکام پر عمل کی دعوت نہیں دی گئی جو قرآنی نظام حیات کے اندر اجتماعی زندگی کےمعاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں سے تعلق رکھتے تھے اس لئے کہ اس وقت مکہ مکرمہ کا جو اجتماعی ماحول تھا اور اس کے اندر مسلمانوں کی جو اجتماعی حالت تھی اس میں نہ ان شرعی احکام پر پوری طرح عمل ہوسکتا تھا نہ وہ مطلوبہ نتائج پائداری کے ساتھ حاصل ہوسکتے تھے جو ان احکام پر عمل سے مقصود تھے ۔ بالفاظ دیگر مذکورہ قسم شرعی احکام کے عمل میں آنے پائداری کے ساتھ قائم رہنے کے لئے جن سازگار ذھنی اور خارجی حالات کا وجود ضروری تھا وہ چونکہ مکی دور میں موجود نہ تھے لہٰذا مسلمانوں سے ان پر عمل کا مطالبہ نہیں کیاگیا اور یہ اس حکمت عملی اور سیاست شرعی کے عین مطابق تھا جس کا پہلے قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر ہوچکا ہے آگے چل کر مدنی دور میں موافق وسازگار ذھنی اور خارجی حالات پیدا ہوگئے اور مخالف ردعمل کے ظہور کا اندیشہ نہ رہا تو اس وقت ان شرعی احکام کا نفاذ عمل میں آیا اور یہ نفاذ بھی دفعتہ نہیں بلکہ تدریج کے ساتھ رفتہ رفتہ عمل میں آیا ۔ مگر حکم اور ہر قانون کے نفاذ سے پہلے ایک طرف تعلیم وتربیت کے ذریعے ذھنوں کو اس کے قبول کرنے کے لئے ہموار اور تیار کیا گیا اور دوسری طرف خارج سے وہ مادی اور معنوی اسباب وموانع دور کئے گئے جو اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے تھے ۔ مثال کے طور پر تحریم خمر کے حکم کو لیجئے قرآن وحدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس پر تدریج کے ساتھ عمل ہوا پہلے یہ فرمایا گیا کہ نماز کے اوقات میں اس کا استعمال نہ کیا جائے اور یہ بھی اس وقت فرمایا جب یہ دیکھا کہ ذھنوں میں نماز کی اہمیت اور ضرورت اس درجہ بیٹھ گئی ہے کہ لوگ اس کو کسی صورت چھوڑ نہیں سکتے اور اس کی خاطر ہر مرغوب چیز کو چھوڑ سکتے ہیں ۔ چنانچہ جب نمازوں کے اوقات میں لوگوں نے اس کا استعمال ترک کر دیا تو اس سے ان کی عام عادت پراثر پڑا اور اس میں وہ سختی نہ رہی جو پہلے تھی پھرجب ان کو قرآن مجید سے یہ معلوم ہوا کہ یہ رجس اور شیطانی عمل ہے تو ان کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہوئی اور ایک ایسی صورت حال وجود میں آئی جو اس کی ہر وقت میں مکمل تحریم اور اس سے کلی اجتناب کے لئے پوری طرح موافق وسازگار تھی تو اس کی تحریم اور مکمل ممانعت کا حکم نافذ کیاگیا جو خاطرخواہ طور پر کامیاب ہوا لوگوں کے گھر میں شراب کے جو مٹکے تھے وہ توڑ دیے گئے جس سے مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی پھر وہ سب برتن بھی توڑ دیئے گئے جو شراب کے بنانے اور استعمال کرنے کے لئے مخصوص تھے اور ان کو دیکھ کر شراب کی یاد آسکتی تھی یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خمر کی مکمل ممانعت کا حکم مدنی دور کے شروع میں نافذ نہیں ہوا بلکہ تقریبا آخر میں ہوا کیونکہ جس سورۃ المائدہ میں اس کی تحریم وممانعت کا حکم ہے وہ بعد میں تقریبا آخر میں نازل ہوئی ہے۔